امام ابن تیمیہؒ سے اس شخص کے بارے میں فتویٰ طلب کیا گیا جو ایک گاؤں میں دو مہینے سے زیادہ رہائش کا ارادہ کر چکا ہے، کیا اس کے لئے اس گاؤں میں قصر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے جواب دیا کہ اس مسئلے میں علماء کے درمیان گہرا اختلاف ہے، بعض علماء نے پوری نماز ادا کرنے کو واجب قرار دیا۔ جب کہ بعض نے قصر کو واجب کہا ہے۔ لیکن ارجح مذہب یہ ہے کہ قصر بھی جائز ہے اور اتمام کرنے بھی کوئی حرج نہیں۔ ان دونوں امور میں سے کسی ایک میں تنگی نہیں۔ لیکن یہ بات ہے کہ جس کو قصر کے ثبوت یا جواز میں شک ہو، جائز ہونے کا یقین نہ ہو۔ اس کیلئے میرے نزدیک احتیاطاً اتمام نماز ہی افضل ہے، اور وہ شخص جس کو سنت مطہرہ کا علم ہو اور اسے معلوم ہو کہ نبی کریم ﷺ نے سفر کے احکام کو کسی خاص مدت کے ساتھ معین نہیں فرمایا، نہ تین دن نبی ﷺ کا متعین شدہ مدت ہے نہ چار، نہ بارہ اور نہ پندرہ تو اس شخص کیلئے قصر کرنا افضل ہے۔ اس قسم کی روایات بہت سے اسلاف سے ثابت ہیں۔ امام مسروق ایک جگہ گورنری کے دوران بہت سے سال نماز قصر پڑھتے رہے۔ اس طرح مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت نے (نہاوند) میں چھ مہینہ قیام کیا، اس دوران سب لوگ نماز قصر پڑھتے رہے۔

نیز انہیں اس بات کا خوبی علم تھا کہ ان کے مقاصد چار دن میں پورے نہیں ہو سکتے بلکہ دس، پندرہ یا بیس دنوں میں بھی پورے نہیں ہو سکتے۔ اس طرح نبی ﷺ اور اصحاب کرام غالباً فتح مکہ کے بعد تقریباً بیس دن قیام پذیر رہے اور نماز قصر ہی کرتے رہے۔ جب مکہ فتح ہوا تو نبی ﷺ کو وہاں مصالح کی خاطر چار دن سے زیادہ ٹھہرنا لازمی ہو چکا تھا، اس کے باوجود نبی ﷺ نے قصر پڑھی۔ (مجموع فتاوی شیخ الاسلام ۱۸/۲٤)

☆☆☆☆☆

باب الفتاوی:

وراثت میں مرد و زن کا فرق

سوال 1 : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ اسلام انصاف اور عدل کا دین ہے لیکن ترکہ میت میں عورت اور مرد کے حقوق میں تفاوت کیوں ہے ؟

جواب : اسلام نے مرد اور عورت کے ترکہ میت سے متعلق جو حقوق مقرر کئے ہیں وہ عین فطرت، مصلحت اور انصاف کے عین مطابق ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے ﴿ **یوصیکم الله فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین** ﴾(النساء: ۱۱) "اللہ تعالی تمہارے اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے"۔

علامہ رشید رضا اپنی کتاب "حقوق النساء فی الإسلام" میں فرماتے ہیں :(ان حکمة جعل نصیب المرأة نصف نصیب الرجل أن الشرع الإسلامی أوجب علی الرجل أن ینفق علی المرأة ،بهذا یکون نصیب المرأة نصف نصیب الرجل تارة وزائدا علیه تارة أخری باختلاف الأحوال) "عورت کے حصے کو مرد کے حصے کے نصف قرار دینے میں یہ حکمت ہے کہ اسلامی قانون نے مرد کو عورت کے نان و نفقہ کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ اس قانون کی رو سے عورت کا حصہ کبھی مرد کے حصہ کے برابر ہوتا ہے اور بعض حالات میں اس سے زیادہ ہوتا ہے"۔

اس سلسلے میں علامہ موصوف مزید فرماتے ہیں "جب کوئی شخص فوت ہو جائے اور ورثاء میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوں 3000 دینار مثلا ترکہ چھوڑا ہو تو اس ترکہ میں سے 2000 کا حق دار بھائی ہوگا، اور 1000 کا حقدار بہن ہوگی۔ پھر جب لڑکا شادی کرے گا، تو اس کے ذمہ بیوی کو مہر دینا اور اس کے لئے رہائش فراہم کرنا اور اس بیوی پر اپنا مال خرچ کرنا لازمی ہے۔ چاہے بیوی غریب ہو یا مالدار، اس صورت میں 2000 دینار میں وہ بھائی اور اس کی بیوی شریک ہیں۔ اس حالت میں بھائی کا حصہ عملا بہن کے حصے کے برابر یا اس سے کم ہوگا۔ جب اس بھائی کے بچے ہوں تو ان بچوں کے نان و نفقہ کا ذمہ دار باپ ہوگا، نہ کہ ماں اس صورت میں بھائی کو وراثت میں جو مال ملا ہے وہ اس کی بہن کے مال سے کم ہوگا۔ جب اس کی بہن کسی سے شادی کرے گی تو وہ شوہر سے مہر اور نفقہ سے استفادہ کرنا اور اس مال کو ترقی دینا ممکن ہوگا، اگر مردوں کے پاس وراثت میں حاصل شدہ مال کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہ ہو تو اس صورت

میں عورتوں کا مال ہمیشہ مردوں سے زیادہ ہوگا۔ جب ذرائع استفادہ ایک ہوں تو عورتوں کا نصف حصہ مردوں کے حصے سے بڑھ کر ہوگا"۔

مولانا مودودی صاحب نے عورت کے معاشی حقوق کے بارے میں فرمایا 'اسلام عورت کو وراثت کے نہایت وسیع حقوق دیتا ہے باپ سے، شوہر سے، اولاد سے، اور دوسرے قریبی رشتہ داروں سے اس کو وراثت ملتی ہے۔ نیز شوہر سے اس کو مہر بھی ملتا ہے۔ اور ان تمام ذرائع سے جو کچھ مال اس کو پہنچتا ہے، اس میں ملکیت اور قبض و تصرف کے پورے حقوق اسے دئے گئے ہیں، جس میں مداخلت کرنے کا اختیار نہ اس کے باپ کو حاصل ہے نہ اسکے شوہر کو، نہ کسی اور کو۔ مزید برآں اگر وہ کسی تجارت میں روپیہ لگا کر، یا خود محنت کر کے کچھ کمائے تو اس کی مالکہ بھی وہی ہے۔ اور ان سب کے باوجود اس کا نفقہ ہر حال میں اس کے شوہر پر واجب ہے۔ بیوی خواہ کتنی مالدار کیوں نہ ہو اس کا شوہر اس کے نفقہ سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ اس طرح اسلام میں عورت کی معاشی حیثیت اتنی مستحکم ہوگئی ہے کہ بسا اوقات وہ مرد سے زیادہ بہتر حالت میں ہوتی ہے"۔

وراثت میں عورت کا حصہ مرد کے مقابلے میں نصف اس لئے رکھا گیا ہے کہ عورت کو نفقہ اور مہر کے حقوق حاصل ہیں، جن سے مرد محروم ہے۔ عورت کا نفقہ صرف اس کے شوہر ہی پر واجب نہیں، بلکہ شوہر نہ ہونے کی صورت میں باپ، بیٹے، بھائی یا دوسری اولاد پر اس کی کفالت واجب ہوتی ہے۔ پس جب عورتوں پر وہ ذمہ داریاں نہیں ہیں جو مرد پر ہیں، تو وراثت میں اس کا حصہ بھی وہ نہ ہونا چاہئے جو مرد کا ہے۔

مولانا محمد ظفر الدین فرماتے ہیں "عورت خسارہ میں نہیں ہے۔ اگر غور کیا جائے تو حالات کے لحاظ سے بہ نسبت مرد کے عورتیں زیادہ نفع میں نظر آئیں گی، میرا مطلب یہ ہے کہ بیوی کسی جائداد کی مالکہ بن کر ہی شوہر کے گھر کیوں نہ آئی ہو، لیکن باوجود اس کے بیوی سے پیدا ہونے والے بچوں کے سارے مصارف کا قانونا وشرعا شوہر ہی ذمہ دار ہے۔ ایسی صورت میں عورت کو جو بھی حصہ ملا، اس کام کے لئے کافی ہے کہ حادثۃ ایسی پیش آجائے کہ شوہر کی امداد سے وہ محروم ہو جائے تو وہ اپنے مال سے مستفید ہو سکتی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو روپیہ کی جگہ آٹھ آنے بھی اس نقطہ نظر سے عورت کے لئے کافی و وافی ہیں،، (اسلام کا نظام عفت وعصمت:٥٦)

عبدالقادر رحمانی

مفتی جمعیت اہل حدیث بلتستان